فہرست مضامین

حرف آغاز

عصر حاضر میں دعوتِ دین کی اہمیت اور اس کا طریقۂ کار — سید جلال الدین عمری — ۵

تحقیق وتنقید

مصحف عثمانی کی تدوین: چند تحقیق طلب سوالات — مولانا محمد عمار خاں ناصر — ۱۷

تدوینِ قرآن مجید کی روایات کا تجزیہ — پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی — ۴۳

بحث ونظر

عہدِ نبوی میں یمن میں اشاعتِ اسلام — حافظ محمد سرفراز غنی — ۵۵

سیر وسوانح

مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حاشیۂ صحیح بخاری — ڈاکٹر محمد سلیم — ۷۳

ترجمہ وتلخیص

تفسیر المبصر لنور القرآن—ایک تعارف — ڈاکٹر عفاف عبد الغفور حمید، مترجم: ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی — ۸۹

تعارف وتبصرہ

تحقیقات مسایلِ میراث — ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی — ۱۱۱

دستاویزاتِ مشاورت — محمد علم اللہ — ۱۱۲

خبرنامہ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی (۵۷) — ۱۱۵

فہرست مضامین ومضمون نگاران تحقیقات اسلامی علی گڑھ، جلد ۳۴، ۲۰۱۵ — ۱۱۷

مقالات کا انگریزی خلاصہ — ۱۲۱—۱۲۸

اس شمارے کے لکھنے والے

۱— مولانا محمد عمار خاں ناصر

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ علوم اسلامیہ، گفٹ یونی ورسٹی گوجرانوالہ (پاکستان)

ammar_nasir@hotmail.com

۲— پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی

سابق چیرمین، شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ

mnzdigitalpoint@gmail.com

۳— حافظ محمد سرفراز غنی

پی ایچ ڈی اسکالر، جی سی یونی ورسٹی، فیصل آباد (پاکستان)

hafizsarfraz786@yahoo.com

۴— ڈاکٹر محمد سلیم

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ دینیات (سنّی) مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ

msaleem196330@gmail.com

۵— ڈاکٹر عفاف عبد الغفور حمید

ایسوسی ایٹ پروفیسر، قسم اصول الدین، کلیۃ الشریعۃ، جامعۃ الشارقہ (UAE)

۶— ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

سکریٹری تصنیفی اکیڈمی، جماعت اسلامی ہند، نئی دہلی

mrnadvi@yahoo.com

۷— جناب محمد علم اللہ اصلاحی

E-26، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی — ۲۵

alamislahi@gmail.com

۸— سید جلال الدین عمری

صدر ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی و امیر جماعت اسلامی ہند

عصر حاضر میں دعوتِ دین کی اہمیت اور اس کا طریقۂ کار

ـــــــــــــــــــــــــ سید جلال الدین عمری

نومبر ۲۰۱۴ء میں مولانا سید جلال الدین عمری امیر جماعت اسلامی ہند، جماعت اسلامی پاکستان کی دعوت پر اس کے سہ روزہ آل پاکستان اجتماع عام (۲۱–۲۳؍نومبر) میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ اس موقع پر ۲۰؍نومبر کو انھیں پنجاب یونی ورسٹی لاہور میں قائم شیخ زاید اسلامک سینٹر میں لیکچر کے لیے مدعو کیا گیا۔ یہ سینٹر متحدہ عرب امارات کے صدر اور ابوظبی کے حکم راں شیخ زاید بن سلطان النہیان کی مالی امداد سے قائم کیا گیا ہے۔ لاہور کے علاوہ کراچی اور پشاور میں بھی یہ سینٹر قائم ہے۔ اس کے تحت ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے کورسز کے علاوہ عربی زبان اور شریعت کے ڈپلوما کورسز بھی چلتے ہیں۔ الاضواء کے نام سے ایک شش ماہی سہ لسانی (اردو، عربی، انگریزی) جرنل بھی شائع ہوتا ہے۔

اس سفر میں راقم سطور کو مولانا محترم کی ہم رکابی کا شرف حاصل ہوا تھا۔ صبح دس بجے ہم سینٹر پہنچے تو وہاں کے اساتذہ نے ہمارا استقبال کیا۔ سینٹر کا ہال، جس میں تقریباً پانچ سو نشستیں تھیں، کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ سامعین میں نصف سے زائد تعداد طالبات کی تھی۔ مولانا نے 'عصر حاضر میں دعوتِ دین کی اہمیت اور طریقہ کار' کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ لیکچر کے بعد ہندوستان میں دعوتِ دین کی آزادی، ہندوستانی مسلمانوں کے حالات، اسلام میں آزادیٔ رائے کے حدود وغیرہ کے تعلق سے سوالات کیے گئے، جن کے مولانا نے جواب دیے۔ بعد میں تھوڑی دیر سینٹر کے اساتذہ کے ساتھ خصوصی نشست ہوئی۔ سینٹر کے ڈائرکٹر جناب اعجاز احمد صاحب نے اساتذہ کی تصنیفات کا ایک ایک سیٹ مولانا اور راقم سطور کو عنایت کیا۔

مولانا کے خطاب کو ریکارڈ کر لیا گیا تھا۔ اسے نقل کر کے موصوف کی نظر ثانی کے بعد افادۂ عام کے لیے پیش کیا جا رہا ہے۔ **(رضی الاسلام)**

الحمد لله رب العلمین والصلوة والسلام علی سید المرسلین وعلی آله وصحبه اجمعین و من تبعهم باحسان الی یوم الدین، اما بعد:

اسٹیج پر تشریف فرما ذمہ دارانِ شعبہ، محترم اساتذۂ کرام، عزیز طلبہ وطالبات!

پنجاب یونی ورسٹی دنیا کی ان چند یونی ورسٹیوں میں سے ایک ہے جنھوں نے اسلام اور اسلامی تاریخ پر گہرے نقش چھوڑے ہیں۔ مجھے دس سال قبل یہاں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ اب دوبارہ حاضر ہونے کا موقع ملا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور ذمہ دارانِ شعبہ کا بھی شکر گزار ہوں کہ انھوں نے یہ موقع فراہم کیا۔ مجھ سے کہا گیا ہے کہ اس وقت— دعوت دین اور اس کا طریقۂ کار— کے موضوع پر مجھے اظہار خیال کرنا ہے۔

دعوت کی ضرورت

محترم اساتذہ کرام اور عزیز طلبہ وطالبات!

یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ اسلام اللہ تعالیٰ کا دین ہے اور قرآن نے اسے اسی حیثیت سے پیش کیا ہے کہ حضرت آدمؑ سے لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کا یہی دین رہا ہے۔ اس کے بارے میں ہمارا ایمان ویقین ہے کہ اسی سے انسان دنیا میں شستہ اور شائستہ زندگی گزار سکتا ہے اور اسی کے ذریعہ آخرت کی فلاح وکام رانی اس کے حصہ میں آسکتی ہے۔ اس دنیا میں بہتر اور پاکیزہ زندگی گزارنے کے لیے اسلام کے سوا دوسرا راستہ نہیں ہے اور آخرت کی کام یابی کا بھی اسی پر انحصار ہے تو یہیں سے دعوت کا آغاز ہوجاتا ہے۔ یہ بات کہ اسلام اللہ تعالیٰ کا دین ہے اور ہر شخص کے لیے ہے، اس کا منطقی تقاضا ہے کہ وہ سب تک پہنچے۔ ہر ایک کو معلوم ہو کہ اسلام ہی اس کے لیے راہِ نجات ہے۔ اس کے علاوہ نجات اور کام یابی کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔ ورنہ کوئی بھی شخص کہہ سکتا ہے کہ مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ میری کام یابی اسلام سے وابستہ ہے۔ میں کیسے اس پر عمل کرتا؟ یہ فطری سوال ہے۔ اس کا جواب دعوت ہی میں پوشیدہ ہے۔

بعثتِ انبیاء کا مقصد

قرآن نے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ انبیاء ورسل کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہے کہ انسان کے پاس یہ عذر باقی نہ رہے کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ صحیح راستہ کیا ہے اور اسلام ہی میں میری کام یابی ہے:

رُسُلاً مُبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ لِئَلاَّ یَکُونَ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌ بَعْدَ الرُّسُلِ۔ (النسائ:۱۶۵)

(یہ رسول خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے تھے، تاکہ ان کی بعثت کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت باقی نہ رہے۔)

اس آیت میں کہا گیا ہے کہ اللہ کے جو رسول آئے وہ بشارت دینے والے تھے۔ یعنی وہ یہ بتاتے تھے کہ اللہ کے دین کو قبول کرنے سے تمھاری دنیاوی زندگی کام یابی سے ہم کنار ہوگی اور آخرت کی کام یابی بھی اسی سے وابستہ ہے۔ اسی طرح وہ 'انذار' کا فرض بھی انجام دیتے تھے کہ اللہ کے دین کی مخالفت تمھارے حق میں صحیح نہیں ہے۔ یہ تمھیں دنیا اور آخرت میں ناکام و نامراد کردے گی۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ بعثتِ انبیاء کے بعد انسانوں کا یہ عذر ختم ہوگیا کہ وہ کہہ سکیں کہ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ اسلام ہی سے ہماری کام یابی وابستہ ہے۔ اب کوئی انسان نہیں کہہ سکتا کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ اللہ کی مرضی کیا ہے؟ کام یابی کا راستہ کیا ہے؟ اور ناکامی کا راستہ کون سا ہے؟ اس سے لاعلمی اور ناواقفیت کا عذر ہی باقی نہیں رہا۔ قرآن نے ایک جگہ وحی ورسالت اور بعثت انبیاء کا مقصد ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَسُوْلٍ اِلاَّ نُوْحِی اِلَیْہِ اَنَّہ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (الانبیائ: ۲۵)

(اے پیغمبر ﷺ! ہم نے جتنے بھی رسول تم سے پہلے بھیجے ان کے پاس یہی وحی کی جاتی تھی کہ میں ہی تمھارا معبود ہوں، لہٰذا تمھیں میری

ہی بندگی کرنی ہے۔)

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر نبی کی دعوت کی بنیاد یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے، اسی کی عبادت ہونی چاہیے۔ اس کے علاوہ کوئی اور راستہ انسان کے لیے صحیح نہیں ہے۔ یہی وہ بنیادی نکتہ تھا جس کی دعوت وہ دنیا کو دیتے تھے۔ قرآن میں متعدد مقامات پر مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں سے بتایا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت صرف یہی نہیں ہوتی تھی کہ لوگ اللہ کی بندگی کریں، بلکہ یہ بھی ہوتی تھی کہ وہ غیر اللہ کی عبادت سے اجتناب کریں:

وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِی کُلِّ اُمَّةٍ رَسُولاً اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ۔
(النحل:۳۶)

(ہم نے جتنے رسول بھیجے انھوں نے اپنی قوموں سے یہی کہا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔)

'طاغوت' کے معنی سرکش کے ہیں۔ شیطان کو بھی طاغوت کہا گیا ہے اور وہ تمام طاقتیں، جو اللہ کے خلاف کھڑی ہوں، طاغوت کہلاتی ہیں۔ بتوں کو بھی طاغوت کہا گیا ہے، اس لیے کہ بت اللہ سے بغاوت کی علامت ہیں۔ اس آیت میں مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں سے دعوت کا ذکر ہے۔ انبیاء کی دعوت کا ایک پہلو یہ ہوتا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کی طرف بلاتے تھے اور دوسرا پہلو یہ ہوتا تھا کہ وہ طاغوت سے اجتناب کے لیے کہتے تھے۔

عقیدہ اور عمل کی آزادی

آج کی دنیا میں اصولی طور پر یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ انسان کو عقیدے اور عمل کی آزادی ہونی چاہیے۔ وہ جو مذہب چاہے اختیار کرے اور جس مذہب کو ناپسند کرے نہ اختیار کرے۔ اس آزادی کو بنیادی انسانی حقوق (Fundamental Human Rights) میں شمار کیا گیا ہے۔ دور حاضر نے اب اس آزادی کے حق کو تسلیم کیا ہے، لیکن قرآن نے آج سے بہت پہلے اسے تسلیم کیا تھا۔ صحیح بات یہ ہے کہ قرآن کے لیے 'تسلیم کرنے' کا لفظ استعمال کرنا درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس میں دباؤ کا

مفہوم شامل ہوتا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ قرآن نے اس کا اعلان کیا تھا کہ انسان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جو مذہب چاہے، اختیار کرے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں آزمائش اور امتحان میں رکھا ہے، اس کا بھی تقاضا ہے کہ اس کو کسی ایک چیز کا پابند نہ بنایا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا:

قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ۔ (الکہف ۲۹)

(اے پیغمبر! آپ کہہ دیجیے کہ تمھارے رب کے پاس سے حق آ گیا۔ اب جس کا جی چاہے اس پر ایمان لے آئے اور جس کی جی چاہے اس کا انکار کر دے۔)

قرآن یا اسلام کو 'حق' اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ اس کے نزدیک ثابت شدہ حقیقت ہے۔ اللہ کا وجود، اس کی ہدایت، آخرت کا آنا، ان چیزوں کو وہ قیاس نہیں کہتا، بلکہ ثابت شدہ حقائق کہتا ہے، جو دلائل سے ثابت ہیں۔ زمین اور آسمان ان کی گواہی دے رہے ہیں اور عقل ان کی تائید کرتی ہے۔ اسلام دعویٰ کرتا ہے کہ وہ حق ہے، ثابت شدہ ہے، جسے عقل کی بنیاد پر چیلنج نہیں کیا جاسکتا اور دلائل سے اسے شکست نہیں دی جاسکتی، لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتا ہے کہ اسے قبول کرنے کے لیے کسی کو مجبور نہیں کیا جائے گا۔ ارشاد ہے:

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا۔ (الدھر: ۳)

(ہم نے انسان کو سیدھا راستہ دکھا دیا ہے۔ اب یہ اس کے اختیار میں ہے کہ وہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے یا ناشکری کا رویہ اختیار کرتا ہے۔)

اسی طرح ایک موقع پر فرمایا گیا ہے:

لَاۤ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى۔ (البقرۃ: ۲۵۶)

(دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں ہے۔ سیدھے راستے کو گم راہی سے

ممتاز کر کے دکھایا گیا ہے۔ اب جو شخص طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لے آئے اس نے ایک مضبوط رسی تھام لی۔)

جبر دو طرح کا ہوتا ہے: ایک طبعی جبر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جتنی مخلوقات پیدا کی ہیں، طبعاً وہ مجبور ہیں کہ اللہ کے قانون کی پابندی کریں۔ لیکن انسان کو طبعی طور پر مجبور نہیں پیدا کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ اسے عقل وفہم کی دولت عطا کی گئی ہے۔ اس کے سامنے کھول کھول کر بیان کر دیا گیا ہے کہ سیدھا راستہ کیا ہے اور غلط راستہ کیا؟ اس کے نتائج سے بھی آگاہ کر دیا گیا ہے۔ اس سے مطالبہ یہ ہے کہ وہ غور وخوض کرے اور دلائل کی روشنی میں صحیح راہ اختیار کرے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو زندگی کے پیچ وخم میں مضبوط بنیاد اس کے ہاتھ میں ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا کہ آپ اس چیز کی تمنا نہ کیجیے کہ سب ہی لوگ ایمان لے آئیں۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا اس طرح پیدا کی ہے کہ اس میں اسلام کے ساتھ کفر بھی رہے گا۔ تمام انسانوں کو بہ جبر اسلام پر جمع نہیں کیا جا سکتا:

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا، أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ (یونس ۹۹)

(اگر اللہ چاہتا تو (دوسری مخلوقات کی طرح) تمام انسانوں کو ایمان لانے پر مجبور کر دیتا۔ پھر کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے کہ سب ایمان لے آئیں۔)

جو آزادی انسان کو دی گئی ہے، اسی کے اندر اس کا امتحان ہے۔ اسلام اس آزادی کو باقی رکھنا چاہتا ہے۔ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اسلام کو پیش کریں، اپنی بات دلائل سے ثابت کریں اور لوگوں کو اس پر مطمئن کرنے کی کوشش کریں، لیکن اسے اختیار کرنے پر مجبور کرنے کا کسی بھی فرد یا گروہ کو حق حاصل نہیں ہے۔ دین کے معاملے میں جبر کی اسلام نے کسی حال میں اجازت نہیں دی ہے۔

یہاں میں چاہتا ہوں کہ مختصراً ایک مسئلہ بیان کر دوں۔ اگر کوئی شخص زور زبردستی

کی وجہ سے اسلام قبول کرلے۔ فرض کیجیے کہ اس نے جان کے خطرہ سے کلمہ پڑھ لیا۔ بعد میں وہ کہتا ہے کہ میرے ساتھ زبردستی کی گئی تو اسے اپنے سابقہ مذہب پر واپس جانے کی اجازت ہوگی۔ اسے مرتد ہونے کی سزا نہیں دی جائے گی۔ فقہاء نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ اگر کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے اور وہ اسلام لے آئے تو اس کے قبولِ اسلام کو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔

اسلام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ تلوار کے زور سے یا حکومتوں کے دباؤ کے ذریعہ پھیلا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ یہ اسلام کا موقف نہیں ہے۔ ایک تو تاریخ سے اس کا ثبوت فراہم کرنا مشکل ہے اور اگر خدانہ خواستہ کوئی واقعہ آپ پیش بھی کردیں تو اس کے بارے میں پورے اطمینان کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ یہ قرآن کی تعلیم کے خلاف ہے۔ ایسا کوئی واقعہ، جس میں کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا گیا ہو، شاید تاریخ میں نہ ملے، لیکن چوں کہ ہماری طویل تاریخ ہے اور دنیا کے ایک بڑے حصہ پر ہماری حکومت رہی ہے، اس لیے ممکن ہے، کوئی شخص ایسا کوئی واقعہ تلاش کرکے پیش کردے۔ اس واقعہ کو چیلنج کرنا مؤرخین کا کام ہوگا، لیکن مجھ جیسا طالب علم وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ یہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔

دعوت کا طریقۂ کار

مجھے قرآن میں ایک آیت بھی ایسی نہیں ملی جس میں کہا گیا ہو کہ اسلام کو طاقت کے ذریعے پھیلاؤ۔ اس نے جو راستہ دکھایا ہے وہ یہ ہے:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ، اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِہٖ وَھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ۔ (النحل: ۱۲۵)

(آپ اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دیجیے، حکمت کے ساتھ، عمدہ نصیحت کے ساتھ، اور مباحثہ کیجیے ایسے طریقے سے جو عمدہ ہو۔ آپ کا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ راہ راست پر چلنے

والوں کو بھی اچھی طرح جانتا ہے۔)

حکمت کے معنی ہیں فہم و بصیرت اور دلائل کے ساتھ، کسی چیز کی تہہ تک پہنچ جانا، اس کی باریکیوں کو تلاش کرنا، اس کی معنویت کو سمجھنا۔ اس آیت میں تین باتیں کہی گئی ہیں: ایک یہ کہ آپ اللہ کے راستے کی طرف دعوت دیجیے حکمت کے ساتھ، دلائل کے ساتھ، دین کی معنویت کو واضح کرکے یا عصری تعبیر میں اس کی فلاسفی بیان کرکے اور اس کی معقولیت کو واضح کرکے۔ دوسری بات یہ کہی گئی ہے کہ اس کے لیے آپ وعظ و نصیحت بھی کرسکتے ہیں۔ بعض دفعہ انسان وعظ و نصیحت سے بھی متاثر ہوتا ہے، خیر خواہی کے ساتھ اسے نصیحت کی جائے تو اسے قبول کرلیتا ہے۔ اس میں انسان کی عقل سے زیادہ اس کے دینی جذبات سے اپیل کی جاتی ہے اور اسے اللہ کا خوف دلایا جاتا ہے۔ تیسری بات یہ کہی گئی کہ جب گفتگو کی ضرورت پیش آئے تو بہتر طریقہ سے گفتگو کی جائے۔ گفتگو ایسی نہ ہو جس سے معلوم ہو کہ آپ مخالف کی بات سننا نہیں چاہتے یا ردّ و کد ہو اور بحث کو غلط رخ دینے کی کوشش کی جائے۔ قرآن نے کہا کہ اگر کوئی اسلام کو سمجھنا چاہے تو آپ اس سے بہتر طریقے سے گفتگو کیجیے۔

مذاہب کے درمیان ڈائیلاگ

آج کل کہا جاتا ہے کہ مذاہب کے درمیان ڈائیلاگ ہونا چاہیے۔ اس کی بنیاد اسلام نے رکھی ہے۔ مذکورہ آیت مشرکین سے خطاب کے پس منظر میں نازل ہوئی ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ اہل کتاب سے بھی گفتگو کی نوبت آئے تو تمھیں گفتگو کا یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ فرمایا گیا:

وَ لَا تُجَادِلُوا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ۔ (العنکبوت:۴۶)

(اور اہل کتاب سے مباحثہ نہ کرو مگر عمدہ طریقے سے۔)

اہل کتاب سے بحث و گفتگو جس احسن طریقہ سے کرنے کی ہدایت ہے، یہی طریقہ ان مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ بھی اختیار کیا جائے گا جو اپنے پاس آسمانی

کتاب رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ بحث وگفتگو کے سلسلے میں یہ ہدایت بھی کی گئی کہ اگر آپ محسوس کریں کہ بات کا رخ غلط سمت میں ہے اور اسے صحیح طریقے سے سمجھا اور سمجھایا نہیں جارہا ہے اور کٹ حجتی کا راستہ اختیار کیا جارہا ہے تو اس کا سلسلہ منقطع کر دیجیے۔ اس سلسلے کی تفصیلی ہدایت سورہ انعام میں دی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوضُونَ فِيْ آيٰتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوضُوا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ وَإِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ (الانعام: ۶۸)

(جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیات میں بے معنی بحثیں کر رہے ہیں تو ان سے رخ پھیر لو۔ یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں لگ جائیں۔ اگر شیطان تمھیں اس بات کو بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھو۔)

ان آیات میں جو ہدایات دی گئی ہیں وہی بنیاد ہیں دین کی دعوت کی۔ ان ہدایات کو ہمیشہ ہمیں اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔

یہاں یہ حقیقت بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ کارِ دعوت کے لیے علمی وفکری تیاری کی بڑی اہمیت ہے۔ جب آپ کہتے ہیں کہ اسلام ہی دین حق ہے اور اسی میں انسانوں کی نجات ہے تو آپ کا مجرّد یہ دعویٰ علمی دنیا میں قابلِ قبول نہیں ہوگا اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ اپنی بات دلائل کے ساتھ پیش کرنے کے موقف میں ہوں اور حریف کے دعویٰ کو دلائل کے ساتھ رد کرسکیں اس کے بغیر آپ کی بات پہلے بھی قابل قبول نہیں ہوتی تھی اور آج بھی نہیں ہوگی۔ اس کے لیے آپ کو دوسرے مذاہب کے بارے میں علم ہونا چاہیے۔ ان کے پاس کیا دلائل ہیں؟ دنیا کے بارے میں وہ کیا سوچتے ہیں؟ ان کے ہاں مُکتی اور نجات کا کوئی تصور ہے تو کیا ہے؟ اس کی ان کے پاس کیا بنیاد ہے؟ ان کے یہاں آخرت کا کوئی تصور ہے یا نہیں؟ رسالت کا کوئی تصور ہے یا نہیں؟ توحید کا کوئی تصور ہے یا نہیں؟ ظاہر ہے، اس کے لیے آپ کو ان مذاہب کا کافی مطالعہ اور اسٹڈی کرنی ہوگی، تبھی آپ اس پوزیشن میں ہوں گے کہ اللہ کے دین کو اس کے بندوں کے سامنے پیش کرسکیں۔

دعوت کا کام پوری امت کا ہے

اس کام کو قرآن میں پوری امت کا کام بتایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔ (آل عمران: ۱۱۰)

(تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کی ہدایت کے لیے برپا کیا گیا ہے۔ تم بھلائیوں کا حکم دیتے ہو، برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔)

اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے وہ چیز پیش کی جائے جس میں ان کا دنیا و آخرت میں بھلا ہو۔ انھیں بتایا جائے کہ بھلائی کس چیز میں ہے؟ ان کا مفاد کس چیز میں ہے؟ آگے اس کی تشریح کی گئی کہ تم معروف کا حکم دیتے ہو اور منکر سے روکتے ہو۔ 'امر بالمعروف اور نہی عن المنکر' ایک جامع اصطلاح ہے۔ معروف سے کچھ خاص بھلائیاں یا منکر سے مخصوص خرابیاں مراد نہیں ہیں، بلکہ ان الفاظ میں پورا دین آجاتا ہے۔

دراصل یہ کام پوری امت کا ہے۔ اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس مشن پر مامور سمجھے۔ امت کا ہر فرد اپنے اپنے طور پر دعوت دین کا کچھ نہ کچھ کام کرسکتا ہے، لیکن امت کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ اس کے لیے ایسے افراد تیار کرے جو اس کام کو کماحقہ انجام دے سکیں۔ اسی وجہ سے کہا گیا کہ تمھارے اندر ایک جماعت اس کام کے لیے مخصوص ہونی چاہیے:

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران: ۱۰۴)

(تم میں کچھ لوگ ایسے ضرور ہونے چاہئیں جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں اور برائے سے روکتے رہیں۔)

یہ دونوں باتیں اسی لیے کہی گئی ہیں کہ امت اس ضروت کو محسوس کرے اور ایسے لوگوں کو تیار کرے جو یہ کام انجام دے سکیں۔ افسوس اس بات کا ہے کہ امت دنیا کی بہت سی باتوں پر غور کرتی اور کبھی عمل بھی کرتی ہے، لیکن یہ بات کہ یہ امت اس دنیا